تبلیغ دین کے لئے ایک اصول

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

تبلیغِ دین کے لئے ایک اصُول

از--- حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

دین کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے اس کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں۔ ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہیئت وشکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی ہیئت وشکل مطلوب ہے۔ اس کو ہم ''منصوص بالوضع'' کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ وہ دینی اُمور ہیں جو اپنی خاص ہیئت وصورت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ (مثلاً) ارکانِ دین اور بہت سے ایسے فرائض جن کو نہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے بتایا بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں۔ اور خود کرکے بھی دکھلائیں۔ (مثلاً) نماز، حج، وضو وغیرہ۔

دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں نفسِ شئی مطلوب ہے، لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر (اور زمانہ کے تغیر اور امّت کے لئے وسعت کا خیال کرکے) آپؐ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں۔ صرف شے بتلادی کہ یہ مقصود ہے، یہ چیزیں خود منصوص ہیں، لیکن ان کی کوئی خاص وضع وہیئت منصوص نہیں۔ (مثلاً) جہاد فی سبیل اللہ، دعوت الی اللہ، علم ودین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام کا اُمّت تک پہنچانا، یہ سب اُمت سے مطلوب ہے اگر اُمت ان کو چھوڑ دے اور بالکل ترک کردے تو وہ گنہگار ہوگی۔ لیکن صرف یہ اعمال مقصود ہیں۔ ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ متعین نہیں کیا گیا بلکہ اس بارے میں اُمت کی عقلِ سلیم پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کو اس کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

غیر منصوص بالوضع کی واضح مثال لباس کا مسئلہ ہے۔ لباس ساتر ہو، ٹخنوں سے اونچا ہو، گھٹنوں سے نیچا ہو، تفاخر اور تکبر کا لباس نہ ہو، کوئی حرام وناجائز (مثلاً) مردوں کے لئے ریشم نہ ہو، پس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرائط بھی منصوص ہیں۔ لیکن لباس کی شکل، لباس کا رنگ اور اس کی قطع وغیرہ غیر منصوص ہیں۔ اسی میں اُمت کے لئے بہت سی سہولتیں ہیں ان کو اُمت کی تمیز اور عقل عام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری مثال مساجد کی ہے۔ مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی نظافت بھی مطلوب ہے، اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے ممتاز ہوں۔ مگر ان کی کوئی خاص طرزِ تعمیر مطلوب نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عالم اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں، یہاں تک کہ مینارے اور گنبد بھی مساجد کے لئے شرائط میں نہیں تھے۔

ہندوستان کی مسجدوں میں دو میناروں کا رواج ہے۔ الجزائر ومراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے۔ اور دنیا کی سب سے بڑی اور

پہلی مسجد (بیت اللہ) کا کوئی مینار نہیں۔

اب دعوت الی اللہ کی مثال لیجئے، اللہ کی طرف اوراس کے دین کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے۔انفرادی ہو یا اجتماعی،تقریر سے ہو یا تحریر سے، اعلانیہ ہو یا خلوت میں، اس میں کوئی شکل معین نہیں۔نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کردیا گیا ہے کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں۔ **قال رب انی دعوت قومی لیلاً ونھارا** (حضرت نوحؑ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اورتوحید کی دعوت رکھی اوردن میں بھی) **ثم انی دعوتھم جھارًا** (پھرمیں نے خوب پکارکراور چیخ کربھی ان کو بلایا) **ثم انی اعلنت لھم واسررت لھم اسرارًا** (پھرمیں بالاعلان بھی آپ کی پیغام ان کو پہنچایا اورچھپ چھپ کرتنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی)۔لہٰذادعوت دین کا کام کرنے والے ہرفردو جماعت کواختیار ہے کہ وہ جس ماحول میں اپنے لئے جوطریقہ صحیح جانے وہ مقررکرے اوراپنی سعی وجہد کا جوطرز مناسب اورمفید سمجھے وہ اختیار کرے۔اس میں کسی کو جائز اورناجائز کہنے یا کوئی روک ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے جب تک کہ اس میں کوئی ایسا عنصرشامل نہ ہوجائے، جوشرعی طور پرمنکر یا مقاصدِ دینیہ کے لئے مضر ہو۔

بعض عوامی حلقوں میں اس وقت ان دونوں حصوں کوخلط ملط کردیا جاتا ہے،منصوص کوغیرمنصوص کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔اورغیر منصوص کومنصوص کے مقام پرپہنچادیا جاتا ہے۔اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں اورمختلف اداروں اوردعوتوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہوجاتی ہے۔اگرہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سی مشکلات حل ہوجائیں گی،سینکڑوں تنازعوں کا سدّ باب ہوجائے گا اور بہت سی ذہنی الجھنیں ختم ہوجائیں گی۔

چیزوں کی اصلی ہیئت سمجھنے اوران کوان کے صحیح مقام پررکھنے کا یہ پیمانہ ہمارے ہاتھ آگیا۔اس کے بعد صحیح اصول پرچلنے والی اورمخلصانہ دینی دعوتوں، دینی اداروں اورحلقوں کے درمیان تقابل،تصادم اوراختلاف کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔فرق جورہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اورحالات کے مطالعہ کا ہے کہ کام کی کونسی شکل اورطریقہ زیادہ مؤثر اورنتیجہ خیز ہے اوروہ کس سے وہ نتائج ومقاصد حاصل ہوتے ہیں جواس کام سے مطلوب ہیں؟

دعوت الی اللہ کی مخصوص شکل اورطرز کی افادیت وتاثیر کی وضاحت کی جاسکتی ہے لیکن کسی کو اپنے تجربہ اورمطالعہ کا اس طرح پابند نہیں کیا جاسکتا، جیسے احکامِ قطعیہ اورنصوصِ قرآنیہ کا، دین کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت اگرکسی خاص طریقہ کارکواختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اصول اورسلف صالحین کے متفقہ مسلک اورطرزِفکر کے مخالف نہ ہو) تو وہ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہے۔ہم اپنے مخصوص طرز کارکودوسری دعوتوں اوردین کی خدمت کرنے والے دوسرے حلقوں کے سامنے بہتر سے بہتر طریقہ پرپیش کرسکتے ہیں،لیکن اگر صرف طرزکارکےفرق کی وجہ سے ہم ان کوغلط کارسمجھیں یاان کی دینی مساعی اورمشاغل کی نفی کریں جن کوانہوں نے اپنے تجربہ اورمطالعہ اورزمانہ کے تقاضوں کے پیش نظراختیار کیا ہے اوران کی افادیت واقعات اوربرسوں کے تجربہ سے ان پرواضح ہوچکی ہے اورکتاب وسنت اورسیرتِ نبوی اورحکمت دینی کے وسیع دائرہ میں اس کے لئے ان کے پاس شواھد ودلائل پائے جاتے ہیں،تو یہ ہماری غلطی اور زیادتی ہوگی۔ہم صرف اتنا کرسکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غورکرنے اورنتائج کودیکھنے اوران کا موازنہ نہ کرنے کی درخواست کریں لیکن

ان کی تحقیر وتردید کرنا اور ان کو غلط کار اور گمراہ سمجھنا غلط ہے اور خدمتِ دین اور دعوت الی الخیر کے دروازے کو محدود اور تنگ بنانے اور امورِ دین کے رشتہ کو زمانہ اور ماحول سے منقطع کرنے کے مترادف ہوگا۔

دعوتوں اور طریق کار میں بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے۔بعض انتظامی امور ہوتے ہیں جو حدیث وقرآن سے استنباط کئے جاسکتے ہیں۔ وہ اصولی طور سے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ملیں گے لیکن خاص اس ہیئت میں نہیں ملیں گے۔ یہ سب چیزیں اجتہادی اور تجرباتی ہیں۔ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

سب سے مشکل چیز اعتدال ہے۔انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجۂ اتم ہوتا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ پچاس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں، جو صاحب نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور دعوت کے طریقہ میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں۔ اُس وقت اگر ایک جامد طبقہ اس کی مخالفت محض اس بناء پر کرے کہ ہمارے بزرگ ایسا کرتے تھے تو اس کا رویہ غلط ہوگا، اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا، کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ایک طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرز، دین کی خدمت اور احیاء کے لئے ہمیشہ کے واسطے اور ہر جگہ کے لئے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے۔ جب تک اس مخصوص طریقہ پر کام نہ ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا۔ یہ بے اعتدالی ہے اور یہ رویہ خطرناک ہے۔اسی طرز فکر کے نتیجے میں مختلف مذاہب اور فرقے امّت میں پیدا ہوئے۔اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک غور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم نے اس کو مفید پایا ہے، پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہیے لیکن اگر کوئی خاص طریقہ ایک رسم بن جائے تو یہ ایک مذہب بن جائے گا اور ایک بدعت قائم ہوجائے گی اور اس وقت کے ربانی مصلحین کا فرض ہوگا کہ اس کی اصلاح کے لئے جدوجہد کریں اور ان رسومات کو مٹائیں، بہت سی چیزیں صحیح مقاصد اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کرلیتی ہیں، ایسے موقع پر حقیقت ورسم، سنّت وبدعت، فرض ومباح میں تمیز کرنا تفقّہ فی الدین ہے، اور کہنے والے نے کہا ہے۔ کہ ؎

گر حفظِ مراتب نکنی زندیقی!

انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتربیت اور ان کی مساعی جمیلہ کے لئے (جن کی پشت پر تائید ربانی اور ارادۂ الٰہی ہوتا ہے) جہاں مضر اور ایک طرح سے حریف ورقیب کفر، الحاد، غفلت ومعصیت ہے جو ان کے پیروؤں کو ان کی دعوت کے برکات اور ان کی تعلیم وتربیت اور تبلیغ ودعوت کے اثرات سے محروم کرنے کا کام انجام دیتی ہے وہاں ''بے روح رسمیت'' بھی ہے۔اول الذکر طاقتیں اگر بیرونی دشمن کی حیثیت رکھتی ہیں، جو باہر سے حملہ آور ہوتا ہے تو یہ اندرونی بیماری ہے جو گھن کی طرح اس جماعت کو لگ جاتی ہے (جو ان کی تعلیم ودعوت سے پیدا ہوتی ہے) اور اس کو اندر اندر کھوکھلا کردیتی ہے۔اس کے نتیجہ میں عقائد بے اثر اور اعمال وعبادات بے روح اور بے نور بن جاتے ہیں، وہ ایک رسم کی طرح ادا کئے جاتے ہیں، ان میں نفس وماحول کی ترغیبات اور شیطان کی تسویلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہتی اور ان کی کیمیا اثری اور انقلاب انگیزی جاتی رہتی ہے، یا بہت کمزور ہوجاتی ہے۔ یہ عموماً نتیجہ ہوتا ہے مؤثر وصحیح دعوت وتربیت کے فقدان یا انقطاع کا، یا موثر اصلاحی وتربیتی شخصیتوں سے محرومی کا، یا ایسے مواقع اور میدانوں کے صدیوں تک پیش نہ آنے کا جن میں شرکت سے ایمان میں تحریک پیدا ہوتی ہے، دلوں کے زنگ دور ہوتے ہیں اور نفس کی مخالفت کی طاقت اور ایثار وقربانی کا جذبہ بیدار ہوتا

ہے۔ اسی وقت کوئی ایسی دعوت وتحریک (الہامِ ربانی اورانتظامِ خداوندی سے جو اس دین کا ہمیشہ سے رفیق رہا ہے) سامنے آتی ہے جو اس ''رسمیت'' پرضرب لگاتی ہے، دلوں کا زنگ دور کرتی ہے، اُمت کو صورت سے حقیقت اور ''رسمیت'' سے ایمان واحتساب کی کیفیت کی طرف لاتی ہے، اسلام میں تجدید واصلاح کی تاریخ اور مجددین، مصلحین کے مستند تذکروں کے مطالعہ سے اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا نشانہ یہی ''رسمیت'' تھی جو مسلم معاشرہ میں سرایت کرچکی ہوتی ہے اور دیمک کی طرح اس کے سرسبز وشاداب درخت کو چاٹ چکی ہوتی ہے اور امت بعض اوقات

واذارایتھم تعجبک اجسامھم وان یقولوا تسمع لقولھم کانھم خشب مسندۃ ط

اور جب تم ان (کے تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر توجہ سے سنتے ہو (مگر فہم وادراک سے خالی) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں کا ایک حد تک نمونہ بن جاتی ہیں۔ وہ ھدایتِ خداوندی اور کتاب وسنت کے عمیق ومخلصانہ مطالعہ کے اثر سے کوئی ایسی دعوت یا طریقِ کار پیش کرتے ہیں جس سے اس ''رسمیت'' کا پنجہ ڈھیلا ہوجاتا ہے، جسم امت میں ایک نئی روح، ایک نئی ایمانی کیفیت، رضاءالٰہی کے حصول کا ایک زندہ وتازہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کی قوتِ عمل بڑھ جاتی ہے، اس کو بڑی سے بڑی قربانی آسان معلوم ہونے لگتی ہے اور بعض اوقات قرونِ اولی کی یادتازہ کرنے والے واقعات سامنے آتے ہیں اور ایمان کی روح پرور بادِ بہاری کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔

لیکن یہ بھی تاریخ اصلاح ودعوت کا واقعہ والمیہ ہے اور فطرتِ انسانی کی کارفرمائی کہ خود اس اصلاح ودعوت اور اس طریق کار میں مُرورِ زمانہ سے ''رسمیت'' دبے پاؤں داخل ہوجاتی ہے اور جو چیز رسم کو مٹانے اور دل ودماغ کو جگانے کو آئی تھی وہ بھی اپنی روح، اندرونی جذبہ اور تازگی کھودیتی ہے اور ایک ''رسم'' ضابطہ اور ROUTINE بن کر رہ جاتی ہے اور اسی کو خود ایک نئی اصلاحی دعوت اور ایک طاقت ور شخصیت کی ضرورت پیش آجاتی ہے جو اس خواب آلودہ اور لکیر کے فقیر کے نظام اور طریقِ کار کی اصلاح کرے اور اس میں جو بدعات، مفاسد، غلو اور جمود پیدا ہوگیا ہے اس کو توڑنے اور اس معاشرہ میں کسی اور طریقہ سے جو کتاب وسنت سے ماخوذ اور اصول ومقاصد کے مطابق ہو معاشرہ کی ''رسمیت'' کو دور کرے اور ایمان وایثار اور قوتِ عمل پیدا کرے۔

اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے ایک مثال پیش کی جاتی ہے جو ایک لطیفہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس سے بڑا سبق حاصل کیا جاسکتا ہے۔ راقم سطور کے ایک فاضل دوست نے بتایا کہ دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ان کے کتب خانہ میں جلد جلد دیمک لگ جاتی تھی اور قیمتی کتابیں تلف ہوجاتی تھیں۔ وہ پریشان تھے کہ اس کا کیا علاج کریں۔ ایک تجربہ کار دوست نے بتایا کہ اگر اونٹ کی ہڈی اس کتاب خانہ میں رکھ دی جائے تو دیمک نہیں لگے گی۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اونٹ کی ہڈی حاصل کی لیکن ان کی حیرت وپریشانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے ایک دن دیکھا کہ اونٹ کی اس ہڈی میں خود دیمک لگ گئی۔

یہاں ایک باریک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد، اور ایک مصلح ہوتا ہے۔ نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اسکے بتائے ہوئے طریقہ کے بغیر نجات ہی نہیں ہوسکتی اور اس کی ہدایت حاصل کئے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس میں کسی قسم کی مداہنت یا تساہل کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن مجددین اور مصلحین کا معاملہ یہ نہیں ہے ہر مجدد اور ہر ربانی مصلح کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے مثلاً کسی مجدد کے طریقہ سے قربانی کے جذبات بڑھتے ہیں۔ لہٰذا اس کے طریقہ کی پیروی سے قربانی کے

جذبات بڑھیں گے اور ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں لہذا اس کے اثر سے انفاق وایثار کے جذبات پیدا ہوں گے۔ ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے اخلاق کی اصلاح اور صفائیِ معاملات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے تو اس سے تعلق ووابستگی خاص طور سے اس میں موثر ہوگی۔

بہرحال نبی کے طریقہ پر نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم لیکن کسی مجدد و مصلح کا معاملہ یہ نہیں۔ خاص خاص ترقیاں تو ان کی اتباع اور وابستگی سے ہوتی ہیں۔ لیکن نجات اس پر منحصر نہیں ہوتی۔

ایک بات یہ بھی جاننی چاہیے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے اور اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی دعوت وتحریک اور کوئی اصلاحی جدوجہد یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کرسکتی ہے اور اُن کی تسکین کا سامان کرسکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کرسکتی ہے۔ کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے، کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے ذریعہ سے متاثر کیا جاسکتا ہے اسی طرح واحد طریقہ کار سے ہر جگہ ہر ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے اس حقیقت کو نہ سمجھنے اور اس کے مطابق نہ چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگ قابلِ قدر اور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص اسی مخصوص طرز پر کام نہ کرے جس کو اس نے اختیار کیا ہے حالانکہ عمومی اصلاحی وانقلابی تحریکوں اور دعوتوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا۔ وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک چوکھٹے میں بٹھائی جاتی ہے۔ ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہو اور اس میں دوسروں سے ممتاز ہو اور جس کو دوسروں سے بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہو۔

یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیے کہ کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ اُس راستہ سے آجائیں، اپنے طریق کار کو مناسب طریقہ سے اُن کے سامنے اکثر بیشتر کرتے رہنا چاہیے لیکن اس طرح نہیں کہ اس میں دین کے دوسرے کاموں اور دینی واصلاحی مساعی کی نفی اور تحقیر ہوتی ہو اور اخلاص سے کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور انہیں مایوسی اور بددلی پیدا ہو اس طرح امت کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں **تعاون علی البر والتقوٰی** کی روح بیدار ہوگی جو عرصہ سے مفقود ہوچکی ہے اور جس کی اس زمانہ میں جبکہ باطل مختلف شکلوں میں اور نت نئے حربوں کے ساتھ حملہ آور ہے اور اہل باطل **من کل حدبٍ ینسلونَ** (ہر ٹیلے اور ٹاپو سے اُبلے چلے آرہے ہیں) سخت ضرورت ہے۔

وما علینا الا البلاغ المؤمنین

(بشکریہ ماھنامہ الفرقان، لکھنو۔ بھارت)

بابت جولائی ١٩٨١ء